رسائل و مسائل

نماز میں تاخیر اور دفتر یا گھر میں نماز باجماعت

سوال: مجھے ایک پروگرام میں شرکت کا موقع ملا۔ ایک ذمہ دار فرد تقریر کر رہے تھے۔ مغرب کی اذان ہو جانے کے باوجود انھوں نے تقریر جاری رکھی۔ توجہ دلانے کے باوجود آدھے گھنٹے کی تاخیر کے بعد جب اندھیرا چھا چکا تو اذان دلوائی گئی اور جماعت سے نماز ادا کی گئی۔ کیا نماز میں اس قسم کی تاخیر خلاف شرع نہیں؟ کیا یہ نماز قضا ہو گئی؟

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجد کے بجائے گھر اور دفاتر میں معمولاً نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ دفتری کاموں اور کھانے کی وجہ سے بھی نماز کو مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: ا۔ سوائے ان نمازوں کے جن کا اول وقت سے کچھ تاخیر کے ساتھ ادا کرنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے' باقی تمام نمازوں کی ادایگی اول وقت میں مستحب ہے بالخصوص مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد اول وقت میں پڑھنے کی ترغیب اور فضیلت زیادہ ہے۔ البتہ اذان اور اقامت کے درمیان ۳ سے ۴ منٹ یا کم و بیش کا وقفہ کرنا مغرب کی نماز میں بھی مستحب ہے تاکہ نمازی پہنچ سکیں مگر یہ وقفہ بھی کوئی واجب نہیں ہے۔ جس ذمہ دار شخص نے اذان مغرب کے بعد ۳۰ سے ۳۵ منٹ تقریر کرنے کے بعد اذان دلوا کر جماعت کروائی' انھوں نے اپنے اس عمل کی وجہ سے پورے اجتماع کی نماز مکروہ کر دی تھی۔ اللہ انھیں معاف فرمائے۔ ذمہ دار ہوتے ہوئے بھی انھوں نے بڑی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔

موطا امام مالک میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ماتحت امرا اور ذمہ داروں کو لکھا تھا کہ تمھارے فرائض میں میرے نزدیک اہم ترین فریضہ بروقت نماز کا اہتمام کرنا ہے۔ جب اسلامی حکومت کے ذمہ داروں کا یہ فرض ہے تو اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت کے ذمہ داروں کا بھی یہی فرض ہونا چاہیے۔ اسلامی جماعت کا نظام اسلامی حکومت کا نمونہ ہونا چاہیے۔ اگر چند منٹ کا فرق ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن بغیر مرض و سفر کے مغرب کی نماز آدھ گھنٹہ تاخیر سے پڑھنا کراہیت سے خالی نہیں' جب کہ بقول آپ کے نماز کے بعد شرکاے اجتماع کے چلے جانے کا خدشہ بھی نہیں تھا اور اگر

خدشہ تھا تو پھر بھی نماز کو وقت مسنون سے مؤخر کرنے کا عذر شرعی نہیں بن سکتا۔ البتہ آپ کے اس اجتماع کی نماز قضا نہیں ہوئی تھی صرف مکروہ ہوئی تھی۔ اس لیے کہ سورج غروب ہونے کے بعد جب تک مغربی افق پر سرخی باقی ہو اس وقت تک مغرب کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ یہ وقت سوا گھنٹہ یا کم و بیش ہوتا ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "میں نے ارادہ کیا تھا کہ جو لوگ مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے نہیں آتے، میں لکڑیاں جمع کرواکر ان کے گھروں کو جلا ڈالوں" (بخاری)۔ (لیکن ان گھروں میں بچے اور عورتیں بھی رہتی ہیں جن پر مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنا واجب نہیں۔ اس لیے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا)۔ اگر گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنا کافی ہوتا تو آپؐ نے یہ وعید کیوں سنائی تھی اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ مسجد میں نہ آنے والے گھروں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دین کے سنن کی تعلیم دی ہے اور دین کے سنن میں سے ایک یہ ہے کہ نماز اس مسجد میں پڑھی جائے جس میں اذان دی گئی ہو" (مسلم باب فضائل صلوٰۃ الجماعۃ)۔

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر ۲۵ اور ایک روایت میں ۲۷ درجے زیادہ ہے، تو اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک نیکی کا اجر ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دفتروں اور گھروں میں جماعت کرانے کی صورت میں قدم رکھنے اور آنے جانے کی ضرورت تو نہیں پڑتی۔ امام بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جس شخص نے اذان سنی اور جواب نہ دیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی الا یہ کہ کوئی عذر ہو" (شرح السنہ للبغوی)۔ حدیث کے سیاق و سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جواب نہ دینے سے مراد یہ ہے کہ مؤذن کی دعوت قبول نہ کی اور مسجد میں آکر نماز باجماعت نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یعنی جماعت کا اجر نہیں ملا۔

اس کے علاوہ مسجدیں بنانا اور ان میں باجماعت نمازیں پڑھنا، اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اگر دفتروں اور گھروں میں جماعت کرانا کافی ہو تو لوگ گھروں اور دفتروں میں اپنے اہل خانہ یا اہل دفتر کے ساتھ نماز باجماعت پڑھیں گے اور مسجدیں بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ انھی وجوہات اور اس نوع کے بہت سے دوسرے دلائل کی بنا پر مشہور فقیہ شمس الائمہ حلوانیؒ نے فرمایا ہے کہ گھروں (اور اسی طرح دفتروں میں) بلاعذر باجماعت نماز پڑھنے سے جماعت کا اجر نہیں ملتا (رد المحتار از ابن عابدین شامی، ج ۱، ص ۳۶۸)۔

اگرچہ علامہ شامیؒ نے باب الامامۃ میں فرمایا ہے کہ جماعت کا ثواب تو مل جائے گا مگر مسجد میں پڑھنے

کی فضیلت نہیں مل سکے گی۔ مگر علامہ شامیؒ نے اسی بحث میں لکھا ہے کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے کہ وہ جب مسجد میں آیا تو جماعت ہو گئی تھی۔ اب اگر وہ دوسری مساجد میں جماعت کی تلاش میں نکلتا ہے تو یہ موجب حرج ہو گا۔ اس لیے وہ گھر میں آکر اہل خانہ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ لے۔ اس پر اسے مسجد کی جماعت کا اجر تو نہیں ملے گا لیکن فی الجملہ جماعت کا اجر مل جائے گا۔ باقی رہے وہ لوگ جو بغیر کسی شرعی عذر کے مسجد نہیں جاتے اور دفتروں یا گھروں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو عادت بنا لیتے ہیں ان کے بارے میں علامہ حلوانیؒ کی یہ رائے دلائل میں غور کرنے سے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ان کو جماعت کا اجر نہیں ملے گا بلکہ صرف فرض ادا ہو جائے گا۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اگرچہ حنابلہ کے نزدیک فرض عین ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑا نقصان اور خسارہ ہے جس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ لوگ تو آج کل مسجدوں میں نہ آنے والوں کے نعرے زیادہ لگاتے ہیں بلکہ اس لیے کہ اس عادت کی وجہ سے آخرت کا بڑا نقصان ہو گا۔

رہا یہ سوال کہ وہ کون سے اعذار ہیں جن کی وجہ سے نماز باجماعت ترک کرنے کی رخصت دی گئی ہے، تو ان اعذار میں سے بڑے بڑے اعذار یہ ہیں:

ایسی بیماری جس کی وجہ سے مسجد آنا جانا بہت زیادہ تکلیف دہ ہو اور مرض میں اضافے کا سبب بن سکتا ہو۔ جان، مال یا اہل خانہ کو ضرر پہنچنے کا خوف، خواہ یہ خوف غنڈوں اور دہشت گردوں سے ہو یا درندوں سے، جب کہ مسجد اور گھر کے درمیان جنگل حائل ہو۔ شدید بارش، شدید ترین اور ناقابل برداشت سردی یا گرمی، شدید ترین اور طوفانی آندھی اور راستے کا ایسا کیچڑ جس سے اپنے جسم اور کپڑوں کو بچانا مشکل ہو (رد المحتار از شامی، ج ۱، ص ۴۱۰۔ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ج ۲۷، ص ۱۸۶ - ۱۸۸)۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دعوت دین اور اقامت دین کی جدوجہد دعاۃ الاسلام کے طریقے کے مطابق اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور استقامت و عزیمت کا عزم مرحمت فرمائے۔ آمین! (مولانا گوہر رحمٰن)۔

لڑکی کی رضامندی

س: میری ایک ماموں زاد بہن نے ۵ سال قبل، اپنے بھائی کے ذریعے زید سے رشتۂ ازدواج کی خواہش ظاہر کی تھی۔ زید نے اثبات میں جواب دیا۔ اس دوران دونوں کے درمیان راز داری سے خط کتابت ہوتی رہی۔ اب زید نے اپنے والد کو لڑکی کے والد کے پاس بھیجا جنھوں نے

انھیں پوری صورت حال سے آگاہ کیا۔ لیکن میرے ماموں نے ساری بات سمجھنے اور جاننے کے باوجود رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر لڑکی اپنے بڑے بھائی کے ذریعے واضح کر چکی ہے کہ وہ زید کی جدائی برداشت نہ کر سکے گی۔ لڑکے کا بھی کہنا ہے کہ اسے جو خصوصیات اپنی ہم سفر میں چاہییں، وہ کسی دوسری لڑکی میں نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس نوعیت کی محبت نہیں جیسی آج کل معاشرے میں جانی پہچانی جاتی ہے۔ ہمارے گھرانے دینی ہیں۔ لڑکی اور لڑکا دونوں پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔ دونوں کا کہنا ہے کہ ہم کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں گے جس سے دونوں خاندانوں کی بدنامی ہو۔ یقیناً خط کتابت ان کی غلطی ہے، لیکن کیا رشتہ نہ دینا درست رویہ ہے؟

کتاب و سنت سے لڑکی کے والدین کے لیے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

ج : رشتوں کے سلسلے میں شریعت نے جو ضابطے طے کیے ہیں اگر لوگ ان کی پابندی کریں تو وہ مشکلات سے دوچار نہ ہوں۔ شریعت نے نکاح کے معاملے میں والد یا ولی کے حق کو بھی ملحوظ رکھا ہے، کہ نکاح کا معاملہ اس سے طے کیا جائے۔ نکاح کا خواہش مند، لڑکی سے براہ راست معاملہ طے کرنے کے بجائے لڑکی کے والد یا ولی سے معاملہ طے کرے۔ پھر نکاح کے لیے والد ایک مجلس نکاح منعقد کرے اور اس میں نکاح کیا جائے۔ رہی یہ بات کہ نکاح کس سے کیا جائے، اگر اس معاملے میں لڑکی اور والد کے انتخاب میں اختلاف پیدا ہو جائے تو شریعت نے لڑکی کے حق کو فائق رکھا ہے۔ نکاح اسی جگہ کیا جائے گا جہاں لڑکی چاہتی ہو اور والد کو برادری یا پنچائیت یا عدالت مجبور کرے گی کہ وہ لڑکی کی خواہش کے مطابق اس کا نکاح کرے۔ اس میں صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ لڑکی ایسے لڑکے سے شادی کا مطالبہ نہ کرے جو اس سے خاندانی، دینی اور پیشے کے لحاظ سے کمتر حیثیت کا مالک ہو۔

آپ نے اپنی ماموں زاد بہن کا جو قصہ نقل کیا ہے اس میں ان سے ایسی غلطی نہیں ہوئی جس کی سزا انھیں اس شکل میں دی جائے کہ ان کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔ والد کو شرعاً اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ لڑکی کی جائز خواہش کو نظرانداز کر کے دوسری جگہ اس کا نکاح کرے۔ اس قسم کے جبر کی اسلام میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثیب (جس کی ایک مرتبہ شادی ہو چکی ہو اس کے بعد وہ مطلقہ یا بیوہ ہو چکی ہو) اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے اپنے ولی کے مقابلے میں۔ اور باکرہ سے اس کے نکاح کے بارے میں اذن لیا جائے گا اور اس کا اذن اس کی خاموشی ہے" (مسلم، ترمذی، ابوداود، سنن نسائی، ابن ماجہ)۔

حضرت خنساؓ بنت خدام انصاریہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا تھا درآں حالیکہ

کہ وہ ثیبہ تھیں۔ انھوں نے اس نکاح کو ناپسند کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے اس نکاح کو رد کر دیا (اس کو صحاح ستہ نے نقل کیا ہے سوائے مسلم کے)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے' فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا عورتوں سے ان کے نکاح کے بارے امر طلب کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ باکرہ سے امر لیا جائے اور وہ شرم کی وجہ سے خاموش رہے تو پھر کیا ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی خاموشی اس کا اذن ہے۔ اور ایک روایت میں ہے' فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باکرہ سے اذن لیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ باکرہ شرماتی ہے۔ اس سے کیسے اذن لیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی خاموشی اس کا اذن ہے (متفق علیہ)۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک باکرہ لڑکی رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ذکر کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے۔ در آں حالیکہ وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی تو آپؐ نے اس کو اختیار دے دیا (اس کو مسند احمد' ابوداود' ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ یہ تمام روایات نیل الاوطار باب ماجاء فی الاجبار والاستئمار ج ۶ سے نقل کی گئی ہیں)۔ ان روایات اور اس طرح کی دوسری روایات کو نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں: ان احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ باکرہ بالغہ کا نکاح جب اس کی اجازت کے بغیر ہو گا تو نکاح صحیح نہ ہو گا۔ یہ اوزاعی' سفیان ثوری' اہل بیت اور حنفیہ کا مسلک ہے اور ترمذی نے اسے اکثر اہل علم کا مسلک قرار دیا ہے (ص ۲۵۵)۔

ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ولی کی اجازت بھی ضروری ہے لیکن اختلاف کی صورت میں عدالت فیصلہ کرے گی (فان اشتجروا فالسلطان ولی من لاولی له باب ماجاء لا نکاح الابولی ' ج ا' ص ۲۰۸' طبع کراچی)۔ اگر ولی اور لڑکی میں اختلاف ہو جائے تو پھر سلطان یعنی عدالت ولی ہو گی' اس کا جس کا کوئی ولی نہیں۔

ان سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے ماموں کو اپنی بیٹی کے معاملے میں وہی فیصلہ کرنا چاہیے جو وہ چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ راست اختیار کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین! (مولانا عبدالمالک)۔

(قارئین کے ارسال کردہ ہر سوال کا جواب شائع کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اشاعت میں کئی ماہ بھی لگ جاتے ہیں۔ لیکن سائل کو جواب ارسال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لیے گذارش ہے کہ نام اور مکمل پتے کے بغیر کوئی سوال ارسال نہ کیا جائے)۔